بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کئی کام ایسے ہوتے ہیں جو فی نفسہا بالکل جائز اور مباح ہوتے ہیں اور شرعی طور پر کسی قسم کے خدشے کا موجب نہیں بنتے لیکن غیر معمولی اہتمام اور غیر ضروری التزام کی وجہ سے ان میں شرعی قباحت پیدا ہو جاتی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذات شارع مطلق ہے اس نے تشریع کا کوئی ادنی سے ادنی کام بھی کسی اعلی سے اعلی مخلوق کو بھی تفویض نہیں کیا ہے، انبیائے کرام صلوت اللہ علیھم اجمعین جو مخلوق میں درجے کے اعتبار سے سب سے بلند اور اہم ترین ہوتے ہیں وہ بھی تشریع میں اللہ تعالی کی وحی جلی یا خفی کے محتاج ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب تک اللہ تعالی کی طرف سے اجازت اور توثیق کا پروانہ نہیں ملتا ان کی تشریع بھی موقوف رہتی ہے۔

اللہ تعالی نے اس دنیا میں تکوین اور تشریع کے دو سلسلے چلائے ہیں جس طرح سے تکوین میں کسی کا عمل دخل نہیں اللہ تعالی عام طور پر اس کو فرشتوں کے ذریعے سے انجام دیتے ہیں بعینہ اسی طرح تشریع میں بھی کسی کا عمل دخل نہیں ہوتا اللہ تعالی اس کو انبیائے کرام علیھم الصلوات والتسلیمات کی وساطت سے پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور ان دونوں سلسلوں میں یہ وساطت بھی بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کی ضامن اور آئینہ دار ہوتی ہے ورنہ اللہ تعالی کسی کام میں بھی وساطت کے محتاج ہرگز ہرگز نہیں تعالی اللہ عن الوساطۃ فی ای شئی کانت علوا کبیرا۔ اور ''کن فیکن'' اور صمدیت کی شان رکھنے والے اللہ تعالی کی بابت اس قسم کا تصور بھی فرض محال نہیں بلکہ فرض محال ہے۔

عام طور پر ہمارے عوام ہی نہیں بلکہ خواص تک اپنے عملی رویوں میں ان تشریعی نزاکتوں کو نہ صرف نظر انداز کرتے ہیں بلکہ توجہ دلانے پر بھی ان کو روندنے اور پامال کرنے سے باز نہیں آتے جن کی عدم رعایت سے بدعات کے ان گنت دروازے چوپٹ کھل جاتے ہیں اور نتیجۃً دین کے رنگ میں بے دینی کی گرم بازاری شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح سے " **الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا** '' کی صورت حال واقع ہو جاتی ہے۔

شریعت کی نگاہ میں بدعات کا ارتکاب بہت بڑا جرم ہے حضرت تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن میں کہیں پر نظر سے گذرا ہے کہ بدعتی شخص در پردہ نبوت کا مدعی ہوتا ہے کیونکہ کسی عمل کے اچھے برے ہونے اور اس پر عنداللہ ثواب وعقاب کی خبر ایک پیغمبر ہی دے سکتا ہے اور پیغمبری کا دعوی کرنا کتنا بڑا گناہ ہے ہر مسلمان اس کو اچھی طرح سے جانتا ہے۔

بدعات کا آغاز بڑے معصومانہ انداز میں ہوتا ہے اور ابتداء اس میں کسی بے دینی کا شائبہ تک بھی نظر نہیں آتا لیکن رفتہ رفتہ اس میں غلو اور افراط پیدا ہو جاتا ہے تو وہ ایک خوفناک گناہ کی صورت اختیار

کر لیتے ہیں اور پھر عوام الناس میں رواج بن جانے کی وجہ سے اہل حق کو اس کا مقابلہ کرنا بھی بہت مشکل اور دشوار بن جاتا ہے۔ ہمارے خیبر پختونخوا کے پٹھان علاقے میں اس کی لاتعداد مثالیں موجود ہیں ۔میں بطور ''مشتے نمونہ ٔخروار'' اس میں سے فقط دو مثالوں کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔

ا: حدیث شریف کا مضمون ہے کہ جو کوئی شب جمعہ کو سورۃ ملک کی تلاوت کرے اس سے قبر میں سوال و جواب نہیں ہوگا گذرے وقتوں میں ہمارے ہاں عام طور پر مسجدوں کے اماموں میں تبحر اور جامعیت نہیں ہوتی تھی عام طور پر یہ لوگ معروف فقہی کتابوں سے تھوڑا بہت شغل رکھتے تھے لیکن عمل کا جذبہ زیادہ ہوتا تھا، کسی مسجد کے امام نے اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے شب جمعہ کو عشاء کی نماز کے بعد سورۃ ملک کی تلاوت شروع کی بعد میں اسے خیال آیا کہ چونکہ ہمارے اکثر عوام قرآن خواندہ نہیں وہ از خود تلاوت قرآن پر قادر نہیں ہوتے ادھر اس کانوں کہیں یہ بات بھی پڑی تھی کہ اگر کوئی خود تلاوت نہیں کرسکتا تو تلاوت کے سننے میں بھی وہی ثواب ملتا ہے جو تلاوت کرنے میں ملتا ہے چنانچہ اس نے از راہ نصیحت و خیر خواہی نماز عشاء کے بعد سورۃ ملک کی بالجہر تلاوت شروع کی اور نمازیوں کو بھی اس کی طرف متوجہ کیا چونکہ وہ نسبتا خیر کا زمانہ تھا لہذا نمازی بھی اس کو سننے کیلئے بہت ذوق شوق سے بیٹھنے لگے یہ دونوں باتیں یعنی سورۃ ملک کی تلاوت کرنا اور اس کو ثواب کی نیت سے سننا اپنی جگہ بالکل صحیح اور باعث ثواب تھیں لیکن بعد میں اس پر اس قدر اہتمام اور التزام کے ساتھ عمل ہونے لگا کہ اس کو باقاعدہ شب جمعہ کے اعمال میں شمار کیا جانے لگا اور جس نے اس مجلس میں شرکت نہیں کی تو اس کو ملامت کیا جانے لگا اور اس پر زوردار نکیر اور عتاب ہونے لگا۔ اب آپ دیکھیے کہ اس عمل کا آغاز کس قدر خیر خواہی کے جذبے سے شروع ہوا لیکن بالآخر اس پورے عملیے نے جو شکل اختیار کی کہ اس کو ایک مقصودی عبادت سمجھا گیا اور اس کے ترک پر تفریق بین المسلمین کے ان گنت واقعات نمودار ہونے لگے اور بعض جگہوں پر امام مسجد کو اسی بناء پر امامت سے الگ کیا گیا کہ وہ اس عمل کو ترک کرتا ہے یا اس کو اچھا نہیں سمجھتا تو اس صورت حال کو دیکھ کر علمائے حق نے اس کو بدعت قرار دیا اور اس کو بند کرنے کیلئے اچھی خاصی معرکہ آرائیاں کرنی پڑیں جو بالکل برحق اور واجب تھیں۔

۲: کسی کے وفات پا جانے پر اس کی نماز، روزوں کا فدیہ واجب قرار پاتا ہے اسی شرعی حکم کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں صدیوں سے اس پر عمل جاری تھا پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میت کی نماز جنازہ کیلئے آس پاس کے تمام لوگ امیر و غریب کے امتیاز کے بغیر جنازگاہ میں جمع ہو جاتے ہیں اب کچھ نیک لوگوں کو خیال آیا کہ بجائے اس کہ جنازہ سے پہلے یا اس کے بعد ہم فدیہ کی رقم کو تقسیم کرنے کیلئے فقراء کی تلاش میں مارے مارے پھریں کیوں نہ جنازگاہ اور قبرستان میں اس کو تقسیم کریں جبکہ فقراء و مساکین خود کسی بلاوے کے بغیر جمع ہو گئے ہیں چنانچہ اسی پر عمل شروع ہوا اور ان فدایا کو اسقاط کے نام سے قبرستان ہی میں تقسیم کیا جانے لگا یہاں تک کہ اس عمل میں کوئی شرعی قباحت موجود نہیں تھی چنانچہ کسی عالم کو بھی اس پر نکیر کرنے کی حاجت پیش نہیں آئی لیکن اس کے بعد اس عمل کو اس قدر ضروری بلکہ واجب سمجھا گیا کہ شرعی فدایا کا تصور اور نیت ہو یا نہ ہو لیکن فوتگی کے موقع پر رقم وغیرہ کی تقسیم لابدی اور ناگزیر ٹھہری اور اگر کسی نے اس میں تساہل سے کام لیا تو اسے برے برے القاب سے نوازا گیا اور معاشرے میں اس کو نکّو بنانے سے بھی احتراز نہیں کیا گیا۔ اب جو کوئی اس کو ضروری نہیں بھی سمجھتا تھا وہ بھی اس رسم کی پشت پر موجود معاشرتی دباؤ کی وجہ سے اپنے آپ کو اس پر عمل درآمد کیلئے مجبور پاتا تھا

حتی کہ اگر کسی کے پاس ایسے موقع پر اس رسم ورواج کی ادائیگی کیلئے رقم نہیں ہوتی تھی تو وہ سودی قرض لینے اور زمین رہن کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا (۱) چنانچہ اس قبیح صورت حال کے پیدا ہو جانے پر علمائے حق نے اس کی مخالفت کرنی شروع کی اور مساجد کے امامان خام ان کی مزاحمت پر کمر بستہ ہو گئے نتیجۃً کئی جگہوں میں اس تقسیم اسقاط کے موقعوں پر اچھی خاصی سر پھٹول اور دھینگا مشتی کے کئی ناخوشگوار واقعات پیش آئے۔

حاصل کلام یہ کہ بدعات کی اولین نشأت اور پیدائش میں نیکی کا داعیہ ہی کارگر ہوتا ہے اولا ایک بے ضرر سا عمل شروع ہو جاتا ہے لیکن جاہل معاشرہ میں اس کے ساتھ کم وکیف اور زمان ومکان کے مختلف تخصیصات اور قیود وادات لگ جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ بدترین بدعت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور جیسا کہ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ ہر بدعت کی ترویج سے ایک سنت مٹ جاتی ہے اور اس طرح سے معاشرہ رفتہ رفتہ بدعات کا گڑھ بن جاتا ہے۔

مروجہ دعوت وتبلیغ بھی اسی نوعیت کی بدعت ہے ہمارے عندیے میں مولانا الیاس صاحب کے خلوص، دردمندی اور خیرخواہی کے جذبے میں دورائیں نہیں ہوسکتیں انہوں نے خود دین پر عمل کرنے اور دوسروں میں دین پر عمل کرنے کی طرف توجہ اور شوق پیدا کرنے کیلئے ایک بے آمیز تحریک شروع کی جس کا زیادہ تر انحصار اس بات پر تھا کہ چند دن کیلئے گھر اور گاؤں کے دنیاوی افکار واعمال کی فضاء سے نکل کر دور دراز کی مسجدوں میں بسیرا کیا جائے اور ذہنی سکون اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالی سے لو لگائی جائے مسجد میں ذکر وفکر، تلاوت، نوافل اور وقفے وقفے سے فضائل کی تعلیم اور ترغیب وتشویق سے ایسا بھرپور دینی ماحول برپا کیا جائے جس سے آدمی خود بھی فائدہ حاصل کرے اور جس مسجد میں ٹھکانہ ہو وہاں کے آس پاس میں بھی دینی مصروفیت اور سرگرمیوں سے ہل چل پیدا کی جائے اگرچہ مولانا کے زمانے میں بھی شب جمعہ کے اجتماعات اور گشت وتشکیلوں کا آغاز ہو چکا تھا لیکن اس کو محض وسائل وذرائع پر آسانی سے محمول کیا جاسکتا تھا لیکن جب سے ان چیزوں کو مقاصد شمار کیا جانے لگا اور پھر ان تخصیصات کو امور منصوصہ کی طرح ضروری اور لازم سمجھا جانے لگا اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس ترتیب اور ہیئت کذائیکی مخالفت کرنے کو دین کی مخالفت قرار دیا جانے لگا تو بے شک اب اس کی پوری حیثیت ہی بدل گئی اور اس طرح سے ایک مباح طریقہ دین لامحالہ ایک بدعت سیئہ میں تبدیل ہو گیا جس پر اہل علم کی طرف سے نکیر نہ صرف جائز بلکہ لازم اور ضروری بن گیا ہے۔

(۱) اس کا ایک بہت گھناؤنا نمونہ خود میرے مشاہدے میں اس وقت آیا جب کہ ہمارے پڑوس میں رات کو ایک شخص قتل ہوا وہ بہت غریب آدمی تھا اس کے باپ نے اس کو بمشکل ایک کنال زمین دی تھی جو اس کی معاشی ضروریات کیلئے قطعاً ناکافی تھی اس کا گذر بسر اس وقت ضلع بنوں کے شمال مغرب میں زیر تعمیر پانی کے ایک ڈیم میں ایک معمولی سی نوکری پر تھا جہاں سے اس کو ساڑھے اکتالیس روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی اس کے پسماندگان میں ایک بیوہ، دو بچے اور ایک بچی تھی اور یہ سب بچے نابالغ تھے جنازہ کی نماز میرے والد صاحب نے پڑھائی تو اس کے فوراً بعد اس کے ایک دور کے رشتہ دار نے اسقاط میں تقسیم کرنے کیلئے کچھ رقم اور کم وبیش دو بوری کھجور وکشمش پیش کئے میرے والد صاحب نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا اے فلاں! ہم سب کو معلوم ہے کہ میت غریب آدمی ہے اور اس کے تین بچے رہ گئے ہیں نہ اس نے وصیت کی ہے اور نہ ہی وصیت کی تنفیذ کیلئے کوئی مال ہے ان کے مال سے بطور اسقاط کچھ تقسیم کرنا ہرگز روا نہیں اس شخص نے محض اس وجہ سے کہ اسقاط تقسیم نہ ہونے پر لوگ ہمیں عار دلائیں گے اور معاشرے میں ہماری ناک کٹ جائے گی بلا تامل کہا کہ مولانا صاحب! یہ سب کچھ میں اپنی طرف سے بطور ایصال ثواب تقسیم کر رہا ہوں چنانچہ سب کچھ تقسیم کیا گیا غالباً پانچ چھ سال کے بعد جب کہ میں دار العلوم حقانیہ میں پڑھتا تھا عید الاضحیٰ کے موقع پر چھٹیوں میں گھر آ گیا اس میت کا بڑا بیٹا اب بالغ ہو گیا تھا اور میرے چچا کی ایک زمین میں ٹماٹر کی پنیری لگانے کیلئے کیاریاں بنا رہا تھا میں اس کے قریب آ کر کھیت کے منڈیر پر بیٹھ گیا اور اتفاقاً اس کے والد کی وفات کے دن کا پورا منظر یاد آ گیا میں نے اس سے پوچھا کہ اس دن بطور اسقاط جو کچھ تقسیم ہوا اس خرچے کا کیا انتظام تھا اس نے اسی شخص کا نام لیا جس نے کہا تھا کہ یہ سب کچھ میں اپنی طرف سے تقسیم کر رہا ہوں کہ یہ سارا خرچہ تو اس نے کیا تھا لیکن اس کے عوض میں ہماری ایک کنال زمین ابھی تک اس نے دبالی تھی ابھی کچھ دن پہلے میں نے کچھ پیسے کما کر جمع کر لئے وہ پیسے اس کو دے کر زمین واگزار کر لی یہ ساری کاروائی قبرستان میں تقسیم اسقاط کے ایک غیر ضروری رسم کی وجہ سے ہوئی۔

آج کی زیرتقریظ کتاب ''الکلام البلیغ فی احکام التبلیغ'' کے تمام مندرجات موجودہ تبلیغی جماعت کے انہی اضافوں اور تخصیصات کی تنقید پر مشتمل ہیں، اس قسم کی کئی اور کتابیں بھی میری نظر سے گذری ہیں جن کے فاضل مصنفین نے آج سے پندرہ بیس سال سے لے کر تیس چالیس سال پہلے کی جماعتی صورتحال پر علمی اور فقہی بحثیں کیں ہیں اور اس کے انحرافات کو طشت از بام کیا ہے، بے شک اس دور کی حدتک یہ کاوشیں بہت قابل قدر تھیں اور اب بھی ہیں اور بالخصوص زیرتقریظ کتاب کے پختہ کار اور کہنہ مشق مصنف نے تو اس موضوع پر جس تفصیل اور تدقیق سے کلام کیا ہے اس نے تو موضوع کا حق ادا کر دیا ہے اور ہمیں اللہ تعالی کی شان کریمی سے یقین کی حدتک امید ہے کہ وہ ان تمام مصنفین کو پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرنے کا اجر وثواب عطا فرمائے گا لیکن آج کی تبلیغی جماعت پر تازہ بہ تازہ گفتگو کرنے کیلئے بعض نئی قسم کی بحثوں کی ضرورت ہے جو جماعت کی آج کی خطا کاریوں اور اس کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت کو واضح کرے اب تو یہ جماعت دین کی قطعی اولیات اور محکمات پر حملہ آور ہے اور اس نے دانستہ یا نادانستہ دین کے بنیادوں کو متزلزل کرنا شروع کیا ہے۔

عالمی سامراج اور بالخصوص تمام آسمانی مذہبوں کے مشترکات سے بغاوت کرنے والی یہودی عنصر اسلام اور مسلمانوں کو زک پہنچانے بلکہ اس کی پوری طرح سے تحلیل کرنے میں آج جس قدر متحرک اور سرگرم ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھا ایک طرف عالم اسلام کے حمیت ملی سے خالی حکمرانوں اور ان کے زیر انتظام تمام ملکی اداروں میں اس عنصر نے وہ نفوذ حاصل کیا ہے جس کے بل پر ان سب کو اپنے عالمی مقاصد میں بھرپور طریقے پر دھڑا دھڑ استعمال کر رہا ہے دوسری طرف ہماری سیاسی معاشی اور معاشرتی میدانوں میں ان کے ہرکارے بڑی آزادی کے ساتھ ہر طرف دوڑتے پھرتے ہیں ہمارے تمام تر تعلیمی اور ثقافتی مراکز پر ان کا قبضہ ہے نظام اور نصاب تعلیم میں ان کے حسب منشاء تیز رفتار تبدیلیاں اور اسلامی اقدار وروایات کی جگہ کافرانہ اقدار وروایات کی آبادکاریاں کسی بھی ہوشمند سے پوشیدہ نہیں ہماری کھیتوں، فصلوں، باغات حتی کہ ہماری آئندہ نسلوں کو بے کار اور فاسد کرنے کیلئے ان کے دوررس منصوبے بلا روک ٹوک روبا عمل ہیں ایسے میں تبلیغی جماعت جیسی ہمہ گیر تحریک جو کسی دھوم دھڑکے کے بغیر بڑی خاموشی کے ساتھ اعمال خیر کی طرف دعوت دینے میں مشغول تھی کب ان کی نظروں سے اوجھل ہوسکتی تھی؟ بالخصوص جب سے تبلیغی جماعت کی باگ ڈور پوری طرح سے بےعلموں کے ہاتھ میں آئی اور ان دیدہ ور ماہر شریعت کے وجود سے ان کی دنیا خالی ہوگئی جو حق نما باطل کا کوئی جلوہ ان کی نگاہوں کو خیرہ نہیں کرسکتی تھی اور جو ع بہر رنگِ کہ خواہی جامہ مے پوش من اندازِ قدت رامے شناسم۔ کی بصیرت سے بہرور تھے۔

بہرحال اس سامراج نے بڑی حکمت اور حیلہ گریوں کے ساتھ اس جماعت کے اندر داخل ہونے کے راستے تلاش کئے اور دین کے نام سے ان میں وہ بے دینی پھیلائی کہ کوئی بڑے سے بڑا دیندار جاہل بھی اس کا ادراک نہیں کرسکتا تھا نتیجۃً پوری جماعت اصل شریعت اسلامی کی متوازی ایک خودساختہ اور بناوٹی شریعت کے راستے پر گامزن ہوئی اور خود ہی اس کیلئے اپنے اصول وفروع تراش لئے۔

عالمی کفر بہت طویل عرصے سے ملت اسلامیہ کے بارے میں اپنے ایک خاص منشور پر عمل پیرا ہے جو بنیادی طور پر تین باتوں کو مین ہدف بنا کر اس پر عمل درآمد کیلئے خود مسلمانوں ہی کے اندر سے چن

چن کر رجال کار فراہم کر رہا ہے یہ منشور مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ہے۔

۱: مسلمانوں کے اندر سے جہاد کا جوش وجذبہ نکالا جائے اور مجاہدین کو مختلف ناموں سے بدنام کیا جائے۔

۲: قران سے اس امت کا ناطہ توڑا جائے اور اس کو اس زمانے کیلئے نا کافی بلکہ ناموزوں قرار دیا جائے۔

۳: مسلمانوں کی عورتوں اور خواتین کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر بازاروں کی جلوت میں لایا جائے اور ان کو معاشرے میں ایک متحرک کردار سونپا جائے۔

کوئی بھی غیر جانبدار اور منصف مزاج شخص آج کی تبلیغی جماعت کا زیادہ گہرا اور تحقیقی نہیں بلکہ ایک سرسری جائزہ لے لے تو اسے پہلی نظر میں دکھائی دے گا کہ یہاں عام طور پر انہی مقاصد ثلاثہ کیلئے بالواسطہ طور پر بڑا زور خرچ ہو رہا ہے اس سرسری مقالے میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں آپ خود کسی بھی

تبلیغی دوست سے ذرا سی بے تکلفی پیدا کریں اور اس کو ان تینوں موضوعات کے بارے میں چھیڑیں تو بہت جلد ہی آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ اس خدا کے بندے کے اندرون میں کیا بھرا پڑا ہے۔ جہاد کے بارے میں نہ صرف ان کے اصاغر بلکہ بڑے بڑے سٹیجوں پر تقریر کرتے اکابر کو یہ کہتے سنیں گے کہ یہ جہاد کا زمانہ نہیں حالانکہ نبی ﷺ کا واضح اور مشہور ارشاد ہے "**الجهاد ماض الی یوم القیامة**" اور اگر آج بھی جب کہ امریکہ اور اس کے حواری ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے ہماری زمینوں میں فروکش ہیں اور ہمارے مالیاتی وسائل پر قبضے اور تہذیب وتمدن کا تیا پانچہ کر رہے ہیں جہاد فرض نہیں تو وہ کب فرض ہوگا؟

قرآن کے بارے میں پوری جماعت کا رویہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں نہ صرف ان کے اپنے مراکز اور اجتماعات میں قرآن پر بین لگا ہوا ہے بلکہ اپنے محلوں کے مساجد میں بھی وہ قرآنی دروس میں شرکت ہرگز نہیں کرتے بلکہ ان کا بس چلے تو ہر جگہ قرآنی دروس کا ناطقہ بند کریں ان کے عوام وخواص کی مشہور کہاوت ہے کہ قران سے تو کسی کی اصلاح نہیں ہوئی ہے حالانکہ قران کے بارے میں خود قرآن اور صاحب قرآن کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ "**وجاهدهم به جهادا كبيرا**" اور "**خيركم من تعلّم القرآن وعلّمه**" اور "**تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب اللّه و سنة رسول اللّه**" اور "**من ابتغى الهدى فى غيره اضله اللّه**" ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

عورتوں کے بارے میں قرآن کا دوٹوک فیصلہ تو یہ ہے کہ "**وقرن فى بيوتكن**" اور نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ "**ان المرأة عورة مستورة اذا خرجت من بيتها استشرفها الشيطان**" لیکن تبلیغی دوست ہیں ان کو گلی کوچوں اور بازاروں میں گھماتے اور پھراتے ہیں کیا یہ قرآنی ارشاد "**يايها الذين امنوا لا تقدموا بين يدى اللّه ورسوله**" سے صریح بغاوت نہیں؟

آج کی جماعت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ہر شخص اب تک کی تفصیلات سے بڑی آسانی کے ساتھ اس حیثیت کو از خود متعین کر سکتا ہے اس کیلئے کسی فتوے کی ضرورت نہیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود

بعض علماء نا صرف ان سے اغماض اور چشم پوشی برتتے ہیں بلکہ بعض تو ان کی وکالت پر کمر بستہ ہیں ان علماء کا یہ رویہ کم سے کم ہماری عقل سے تو بہت بالاتر ہے اور بعض کا ان کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کے فائدے نقصانات پر بھاری ہیں ستم بالائے ستم کا مصداق نہیں تو اور کیا؟

فا لی اللہ المشتکی

شیخ الطاف الرحمٰن بنوی

خطیب جامع مسجد عمر فاروق دانش آباد یونیورسٹی روڈ پشاور